(غلام گردش)

سات سالہ نجمہ کا خط

انکل! میرا نام نجمہ ہے۔ابھی صرف سات سال کی ہوں۔شروع شروع میں معلوم نہیں تھا کہ کون سے علاقے میں رہتی ہوں۔ گھر کے نزدیک ایک بہت بڑا دریا ہے۔ یہ ہر وقت چلتا رہتا ہے۔امی کہتی ہیں کہ دریا کے نزدیک بالکل نہیں جانا چاہیے۔اس میں بڑے بڑے جانور ہوتے ہیں جو کنارے پر آ کر بچوں کو کاٹ لیتے ہیں۔مگر گاؤں کے سارے بچے اور بچیاں دریا کے کنارے خوب کھیلتے رہتے ہیں۔ ایک بار چھوٹے بھائی، اسلم کا پیر پھسل گیا اور دریا میں گر گیا۔ پہلے تو اسکا سر دور سے نظر آتا رہا۔پھر پانی کے اندر چلا گیا۔بہت شور مچایا۔مگر وہ شائد ہم سے ناراض ہو گیا تھا۔واپس ہی نہیں آیا۔معلوم ہی نہیں ہوا کہ کدھر گیا۔امی اور ابو بہت روتے رہے۔امی نے کئی دن کھانا نہیں کھایا۔مگر مجھے پتہ ہے کہ وہ کدھر ہے۔وہ تو اللہ کے پاس ہے۔اس نے تو بہت اچھے اچھے کپڑے پہنے ہونگے کیونکہ وہ جنت میں ہے۔اسلم صرف چار سال کا تھا۔

انکل، میرا گاؤں اَٹک شہر سے کافی آگے ہے۔سرکاری سکول میں پڑھتی ہوں۔ایک دن، پرانے اخبار میں گھر کیلئے سودا لیکر آئی تو اس میں بڑا سا اشتہار تھا کہ سکولوں کو بہت اچھا کر دیا گیا ہے۔ بہت سے پیسے لگا کر تمام سہولتیں مہیا کر دی گئی ہیں۔چار دیواری، اچھے کلاس رومز، فرنیچر سب کچھ بنا دیا گیا ہے۔مگر میرے سکول میں تو کچھ بھی نہیں ہوا۔اسکی کوئی چار دیواری نہیں ہے۔ ہر طرح کے جانور، سکول میں آ جاتے ہیں۔گائیں، بھینس، بکریاں اور گدھے، سارا وقت پھرتے رہتے ہیں۔ہاں، ایک بات بتاؤں۔سکول میں بجلی ہے۔مگر اکثر موجود نہیں ہوتی۔ساری بچیاں، کمروں میں نہیں، بلکہ سکول کے باہر، درختوں کے نیچے زمین پر بیٹھ کر پڑھتی ہیں۔باہر، آج کل اتنی گرمی ہوتی ہے کہ پڑھنے کو دل نہیں چاہتا۔بس انتظار ہوتا ہے کہ اُستانی جی کب چھٹی کا کہیں اور میں گھر واپس چلی جاؤں۔چند دن پہلے، گرمی سے میرے ساتھ بیٹھی ہوئی سہیلی، سلمہ، بیہوش ہو گئی۔اُستانی جی، نے اسکے چہرے پر پانی ڈالا تو پھر بھی ہوش میں نہ آئی۔نزدیک کوئی ہسپتال ہی نہیں ہے۔میرا خیال تھا، سلمہ اب زندہ نہیں رہی۔مگر وہ آدھے گھنٹے بعد خود ہی ہوش میں آ گئی۔اُستانی جی نے لکھ کر بھی بھجوایا کہ سکول میں بجلی نہیں آتی۔مگر وہ کہتی ہیں کہ انکی کوئی بات ہی نہیں سنتا۔کئی بار تو وہ پڑھاتے پڑھاتے رونا شروع کر دیتی ہیں۔اُستانی جی بہت اچھی ہیں۔ہمیں سائنس، اُردو، انگلش سب پڑھاتی ہیں۔سکول میں اور کوئی ٹیچر ہے ہی نہیں۔انکل، آپ ایسا کریں کہ کسی کو کہہ کر ہمارے سکول میں بجلی آنے کا انتظام کروا دیں۔

ایک دن، سکول میں لاہور سے بہت بڑے افسر آئے تھے۔انہوں نے بتایا کہ ہمیں سال میں دو بار نئے کپڑے اور جوتے ملیں گے۔ساری رات خوشی کی وجہ سے سوئی نہیں۔بہت عرصے سے نئے کپڑے پہنے ہی نہیں۔ہم چار بہنیں ہیں۔دو مجھ سے بڑی ہیں۔میں تو انکے اُتارے ہوئے پرانے کپڑے پہنتی ہوں۔ہاں، ایک بار، ابو کو کچھ پیسے ملے تھے۔انہوں نے ہمیں بڑے خوبصورت نئے کپڑے بنوا کر دیے تھے۔انکل، ساری رات سوچتی رہی کہ سکول میں جانے کیلئے نئے سرکاری کپڑے ملیں گے۔مگر ایک سال ہو گیا۔کچھ نہیں ہوا۔اُستانی جی سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بیٹی، افسر، وعدے تو کر جاتے ہیں مگر کبھی پورا نہیں کرتے۔کہنے لگیں کہ اس بڑے

افسر کے اوپر بھی ایک بڑا افسر ہے۔اس نے کاغذوں میں لکھوالیا ہے کہ سب بچوں کو یونیفارم مل گئی ہے۔حقیقت میں تو ہمیں کوئی یونیفارم نہیں ملی۔انکل، یہ لوگ ہم سے جھوٹی باتیں کیوں کرتے ہیں۔انہیں اللہ میاں سے ڈر کیوں نہیں لگتا۔ایک دن، امی سے نئے کپڑوں کی بہت ضد کی تو انہوں نے کہا، کہ بیٹا، جب ہم سارے جنت میں جائینگے تو "اللہ انکل" ہمیں ڈھیر سارے نئے رنگ برنگے کپڑے دینگے۔مسجد کے مولوی صاحب سے قرآن پڑھتی ہوں۔ایک دن، ان سے پوچھا کہ جنت میں کب جاؤنگی۔آپ ایسے کریں، اللہ میاں سے کہیں کہ مجھے فوری طور پر جنت میں بلالیں۔مولوی صاحب نے یہ باتیں سنکر منہ پھیرلیا۔دیکھا کہ وہ سسکیاں لے لے کر رو رہے ہیں۔وہ کیوں رو رہے تھے۔میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں کی۔

ہاں انکل، ایک بہت ضروری بات ہے۔ہمارے گاؤں میں سرکاری ٹنکی کا پانی نہیں آتا۔محلے کے آخر میں ایک نلکا لگا ہوا ہے۔عجیب وغریب سا۔چار سال پہلے، دو انگریز آئے تھے اور نلکا لگوا کر چلے گئے۔اس سے پہلے، ہم لوگ کنویں سے پانی پیتے تھے۔نلکا لگنے سے ہمیں اچھا پانی ملنے لگا ہے۔مگر وہاں قطار بڑی لمبی ہوتی ہے۔امی نے سب بچوں کی باریاں لگائی ہوئی ہیں۔ہم ایک ٹین کے ڈبے میں پانی ڈال کر گھر لاتے ہیں۔پر انکل، اس سے پہلے، جس کنویں سے ہم پانی پیتے تھے، اس میں چھوٹے چھوٹے سے کیڑے ہوتے تھے۔امی، پانی کو چھان لیتی تھیں۔مگر ہم لمبے عرصے تک وہی گندا پانی پیتے رہے ہیں۔گاؤں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں، جنکے بدن سے کیڑے نکلتے ہیں۔وہ کھینچ کھینچ کر اپنے بدن کے سوراخوں سے کیڑے نکالتے رہتے ہیں۔درد سے روتے ہیں۔انکل، آپ ہمارے ملک کے بادشاہ کو کہیں کہ انکا علاج تو کروادیں۔بابا، بتایا کرتے تھے کہ ہمارے صوبے کا بادشاہ لاہور میں بیٹھتا ہے۔انکل، آپ انہیں ملیں اور بتائیں کہ نجمہ کہہ رہی تھی کہ وہ ہمارے گاؤں ضرور آئیں۔سنا ہے، جب بادشاہ کہیں جاتا ہے، تو ہر چیز فوری طور پر ٹھیک ہوجاتی ہے۔آپ انہیں ضرور کہیں، ضرور۔

انکل، پچھلی گرمیوں کی چھٹیوں میں اُستانی جی نے کہا کہ اسلام آباد چلتے ہیں۔سب نے اپنی اپنی عیدی جمع کی ہوئی تھی۔اُستانی جی نے بس کرائے پر لی اور وہاں چلے گئے۔جیسے ہی ہم اسلام آباد کے نزدیک پہنچے۔ساری سڑکیں چوڑی ہوگئیں۔اچھے اچھے درخت، سڑک کے کنارے پر لگے ہوئے تھے۔وہاں، ساری بچیاں، ایک خالی سکول میں رات رہے۔اُستانی جی نے انتظام کروالیا تھا۔پچیس بچیاں ایک ہی کمرے میں سوگئے۔صبح جب بس میں بیٹھ کر اسلام آباد گھومنے گئے تو حیران رہ گئے۔اتنی بڑی بڑی عمارتیں، لمبی لمبی چمکتی ہوئی گاڑیاں، صاف ستھرے لوگ اور آنٹیاں۔بچوں نے بھی بڑے اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔کھانے پینے کے بڑے بڑے ہوٹل تھے۔اُستانی جی سے پوچھا کہ اسلام آباد، پاکستان کا شہر ہے یا ہم سارے کسی اور ملک میں ہیں۔اُستانی جی نے دھیمی آواز میں کہا کہ بیٹا، یہ شہر ہے تو پاکستان میں ہی ہے، مگر اسکا باقی ملک سے کوئی تعلق نہیں۔پتہ نہیں، یہ کیسا جواب تھا۔ہمارا گاؤں بھی تو پاکستان میں ہے۔تو یہ اسلام آباد کی طرح کیوں نہیں ہوسکتا۔میرے سوال کا کوئی جواب ہی نہیں دیتا۔خیال ہے کہ اُستانی جی کو پتہ نہیں ہے۔اسلام آباد ہمارے ملک میں نہیں ہے۔یہ کسی اور ملک کا شہر ہے۔بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہمارے گاؤں کی گلیاں کچی ہوں، پینے کا پانی بھی نہ ہو اور یہاں ہر چیز ہو۔ایک ملک ہے تو ہر سہولت، یکساں ہونی چاہیے۔ضرور، اُستانی جی کو کسی نے غلط بتادیا ہے۔اسلام آباد، ہرگز ہرگز ہمارے ملک

میں نہیں ہے۔گاؤں جا کر مولوی صاحب سے پوچھونگی۔وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ضرور بتا دینگے۔

انکل، ہمارے گاؤں کے اردگرد بہت سے کھیت ہیں۔ان میں سے اکثر رنگ برنگے سانپ نکلتے رہتے ہیں۔میری سہیلی کے ابو، جنگل میں بکریاں چرا رہے تھے تو انہیں واپسی پر سانپ نے کاٹ لیا۔بڑی مشکل سے گھر پہنچے۔گاؤں کے ہسپتال لیکر گئے تو وہاں تالا لگا ہوا تھا۔چوکیدار نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب، ہفتے میں صرف ایک دن آتے ہیں۔آج ہی شہر واپس گئے ہیں۔لہذا اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ڈسپنسر بھی نہیں تھا۔سانپ کے کاٹنے سے انکی ٹانگ بہت زیادہ سوج گئی تھی۔نیلی ہوگئی تھی۔ایسے لگتا تھا کہ کسی نے ٹانگ پر گہرا نیلا رنگ کر دیا ہے۔بیہوش ہو چکے تھے۔ہمارے گاؤں میں ایک بڑا امیر آدمی رہتا ہے۔اسکے پاس ایک بڑا سا چنگ چی رکشہ ہے۔روز چار پانچ سو روپے کی کمائی ہوتی ہے۔سہیلی کے ابو کو، وہ رکشہ میں ڈال کر گاؤں سے پندرہ میل دور بڑے ہسپتال میں لیکر گیا۔وہاں ڈاکٹر تھے۔پر پتہ چلا کہ سانپ کے کاٹنے والی دوائی ایک سال سے ختم ہوگئی ہے۔لاہور سے دوائی آئی ہی نہیں۔ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ مریض کو اَٹک کے سب سے بڑے سرکاری ہسپتال میں لے جائیں۔وہ چالیس میل دور تھا۔پہنچتے پہنچتے، چار گھنٹے مزید گزر گئے۔سہیلی کے ابو، دوائی نہ ملنے کی وجہ سے دنیا سے چلے گئے۔امی، انکے گھر گئی اور دیر تک روتی رہی۔شائد غریب لوگ رونے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتے۔سہیلی نے بتایا کہ اس نے خواب میں اپنے ابو کو دیکھا ہے۔انہوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔کہہ رہے تھے کہ یہ جگہ، ہمارے گاؤں سے بہت بہتر ہے۔اور ہاں، میں نے آتے ہی اللہ میاں سے شکایت کی ہے کہ ہمارے ہسپتالوں میں سانپ کے زہر کو ختم کرنے والی دوائی کیوں نہیں ہے۔سہیلی بتا رہی تھی کہ اللہ میاں نے شکایت سنکر صرف یہ کہا، کہ جس ملک کے لوگ بذات خود ٹھیک نہ ہونا چاہیں۔ہر وقت منافقت کریں۔جھوٹ بولیں، ریاکاری کریں۔انکے لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ وہ اپنے دشمن خود ہیں۔ایسے لوگ، خدا کی رحمت کو نہیں بلکہ غصے کو دعوت دے رہے ہوتے ہیں۔سہیلی کہتی ہے، کہ پھر اسکے ابو خاموش ہو گئے۔اس نے بھی دعا کی کہ اللہ میاں، مجھے بھی اپنے ابو کے پاس بلوا لیں۔یہ جگہ ہمارے گاؤں سے بہتر ہے۔

انکل، میرے بابا ٹرک ڈرائیور تھے۔بہت اچھے تھے۔ہر وقت ہمارا خیال کرتے تھے۔انکے ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہوا اور حادثے میں انکی ٹانگیں ضائع ہوگئیں۔اب وہ چل پھر نہیں سکتے۔گھر پر ہی رہتے ہیں۔ہر وقت امی اور ابو کی لڑائی ہوتی رہتی ہے۔امی چند گھروں میں کام کر کے کچھ پیسے کما لیتی ہے۔ہم دن میں صرف ایک وقت کھانا کھاتے ہیں۔امی تو کئی بار، ایک وقت بھی کھانا نہیں کھاتی۔کیونکہ اکثر کھانا ختم ہو جاتا ہے۔میں اپنا آدھا کھانا امی کو زبردستی کھلاتی ہوں۔انکل، آپ میرا صرف ایک کام کر دیں۔میری ساری باتیں، ملک کے بادشاہ کو بتا دیں۔شائد، ہمارے حالات بہتر ہو جائیں۔شائد ہمیں بھی زندہ رہنے کیلئے بنیادی سہولتیں مل جائیں۔وعدہ کریں۔آپ کسی بڑے انکل سے یہ باتیں ضرور کرینگے!

راؤ منظر حیات